

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورة النساء

(۱۹)

(گزشتہ سے پیوستہ)

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ، قُلِ: اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِمَّى النِّسَاءِ الَّتِي لَا تَوْفُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ، وَتَرْغَبُونَ أَنْ

وہ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔^{۱۹۸} اُن سے کہہ دو کہ اللہ تمہیں اُن کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور جن عورتوں کے حقوق تم ادا نہیں کرنا چاہتے، مگر اُن سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اُن کے یتیموں سے متعلق جو ہدایات اس کتاب میں دی جا رہی ہیں،^{۱۹۹} اُن کے بارے میں اور (دوسرے) بے سہارا

[۱۹۸] یہاں سے آگے اب خاتمہ سورہ کی آیات ہیں۔ ان میں سلسلہ بیان اس طرح ہے کہ ابتدا اور انتہا میں بعض سوالوں کا جواب ہے جو اس سورہ کے احکام سے متعلق لوگوں نے اس کی تلاوت کے دوران میں کیے اور درمیان میں مسلمانوں، منافقین اور اہل کتاب کے اُن رویوں پر تنبیہ ہے جو اس سورہ کے مباحث سے متعلق اُن کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ مثلاً، بعض مسلمانوں کا یہ رویہ کہ وہ منافقین کے ساتھ دوستی اور تعلقات کو ترجیح دیتے اور اُن کے مقابلے میں حق کی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اسی طرح یہود کا یہ رویہ کہ وہ اُسی کتاب پر ایمان لائیں گے جسے وہ آسمان سے اترتے ہوئے خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

[۱۹۹] یہ استفتا کس نوعیت کا تھا؟ اس کی وضاحت آگے اس کے جواب سے ہو جاتی ہے۔ قرآن کا عام اسلوب

تَنْكِحُوهُنَّ، وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ، وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ، وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٢٤﴾ وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا

بچوں کے بارے میں بھی فتویٰ دیتا ہے (کہ عورتوں کے حقوق ہر حال میں ادا کرو) اور یتیموں کے ساتھ (ہر حال میں) انصاف پر قائم رہو اور (یاد رکھو کہ) اس کے علاوہ بھی جو بھلائی تم کرو گے، وہ اللہ کے علم میں رہے گی۔ ہاں، اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بے زاری یا بے پروائی کا اندیشہ ہو تو اس

ہے کہ اُس میں سوالات اسی طرح اجمال کے ساتھ نقل ہوتے ہیں۔ غور کیجیے تو یہی طریقہ قرین بلاغت ہے، اس لیے کہ سوال اگر جواب سے واضح ہے تو اُس کا نقل کرنا محض طول کلام کا باعث ہوگا۔

[۲۰۰] اصل الفاظ ہیں: لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ، یعنی اُن کو تم وہ نہیں دیتے جو اُن کے لیے لکھا گیا ہے۔ یہ مہر اور عدل کی اُس شرط کی طرف اشارہ ہے جو اس سورہ کی آیات ۳-۴ میں یتیموں کی ماؤں کے ساتھ نکاح میں بھی ضروری قرار دی گئی ہے۔

[۲۰۱] اصل میں وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن کا عطف ہمارے نزدیک فِيْهِنَّ کی ضمیر مجرور پر ہے اور الْكِتَابِ کے مراد اس جملے میں قرآن مجید ہے۔

[۲۰۲] یہ وہ فتویٰ ہے جو لوگوں کے استفتا کے جواب میں ارشاد ہوا ہے۔ اس کے لیے اصل میں وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن کا معطوف علیہ اس جملے میں محذوف ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”... یہاں کلام میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جو وَأَنْ تَقُومُوا کا معطوف علیہ بن سکے۔ اس وجہ سے لازماً یہاں محذوف ماننا پڑے گا اور یہ محذوف سیاق کلام کی روشنی میں معین کیا جائے گا۔ چنانچہ یہاں وَأَنْ تَقُومُوا سے پہلے یہ مضمون محذوف ہوگا کہ اِن عورتوں کو اِن کے مہر دو، اِن کے ساتھ عدل کا معاملہ کرو، پھر اس کے اوپر وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ کا عطف موزوں ہوگا۔ یعنی اور یتیموں کے لیے عدل کی حفاظت کرنے والے بنو۔ گویا فتوے میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ مہر اور عدل کی شرط جس طرح عام عورتوں کے معاملے میں ہے اُسی طرح یتیموں کی ماؤں کے بارے میں بھی ہے اور آیت وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا میں عورتوں کے ساتھ عدل کا اور آیت وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ میں اداے مہر کا جو حکم ہے تو وہ یتیموں کی ماؤں سے متعلق ہی ہے، جن سے

نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا، وَالصُّلْحُ خَيْرٌ، وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ، وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾

میں حرج نہیں کہ دونوں آپس میں کوئی سمجھوتا کر لیں۔ (اس لیے کہ) سمجھوتا بہتر ہے۔ اور (یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ) حرص لوگوں کی سرشت میں ہے۔ لیکن حسن سلوک سے پیش آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو جو کچھ تم کرو گے، اللہ اُس سے جانتا ہے۔ ۱۲۷-۱۲۸

تم نکاح تو کرنا چاہتے ہو، لیکن مہر اور عدل کی لکھیڑ میں پڑنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اس طرح گویا قرآن نے آیات ۳-۴ کے اجمال کو کھول دیا اور اس فتوے کے ذریعے سے اُن میں دیے ہوئے احکام کو مزید مؤکد کر دیا۔“
(تدبر قرآن ۲/۳۹۷)

[۲۰۳] اصل میں 'نُشُوز' کا لفظ آیا ہے۔ یہ اگر مرد کی طرف سے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بیوی کو بیوی سمجھ کر اُس سے معاملہ کرنے سے انکار کر رہا ہے۔
[۲۰۴] یہ عورت کو نصیحت فرمائی ہے کہ اگر وہ سے اندیشہ ہو کہ بیویوں میں برابری کے حقوق پر اصرار کے نتیجے میں مرد اُس سے بے پروائی برتے گا یا پیچھا چھڑانے کی کوشش کرے گا تو اس میں حرج نہیں کہ دونوں مل کر آپس میں کوئی سمجھوتا کر لیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...یعنی عورت اپنے حق مہر، عدل اور نان نفقے کے معاملے میں ایسی رعایتیں شوہر کو دے دے کہ قطع تعلق کا اندیشہ رفع ہو جائے۔ فرمایا کہ صلح اور سمجھوتے ہی میں بہتری ہے، اس لیے کہ میاں اور بیوی کا رشتہ ایک مرتبہ قائم ہو جانے کے بعد فریقین کی فلاح اسی میں ہے کہ یہ قائم ہی رہے، اگرچہ اس کے لیے کتنا ہی ایثار کرنا پڑے۔ فرمایا کہ حرص طبائع کی عام بیماری ہے جو باہمی تعلقات پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ یا تو دونوں فریق ایثار پر آمادہ ہوں اور اگر ایک فریق کا مرض لا علاج ہے تو دوسرا قربانی پر آمادہ ہو۔ غرض رشتہ نکاح کو برقرار رکھنے کے لیے اگر عورت کو قربانی بھی دینی پڑے تو بہتری اُس کے برقرار رہنے ہی میں ہے۔ اس کے بعد وَتَتَّقُوا تَحْسِنُوا کے الفاظ سے مرد کو ابھارا ہے کہ ایثار و قربانی اور احسان و تقویٰ کا میدان اصلاً اُسی کے شایان شان ہے، وہ اپنی فتوت اور مردانگی کی لاج رکھے اور عورت سے لینے والا بننے کی بجائے اُس کو دینے والا بنے۔ اللہ ہر ایک کے

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ، وَلَوْ حَرَصْتُمْ، فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ
فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ، وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾
وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ، وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾

بیویوں کے درمیان پورا انصاف تو اگر تم چاہو بھی تو نہیں کر سکتے، اس لیے اتنا کافی ہے کہ ایک کی
طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری ادھر میں لٹکتی رہ جائے۔ ہاں، اگر اپنے آپ کو درست کرتے
رہو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ اور اگر میاں بیوی،
دونوں الگ ہی ہو جائیں گے تو اللہ اُن میں سے ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا۔ اللہ
بڑی وسعت رکھنے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ ۱۲۹-۱۳۰

ہر عمل سے باخبر ہے اور ہر نیکی کا وہ بھرپور صلہ دے گا۔ (تذہقرآن ۳۹۹/۲)

[۲۰۵] اصل الفاظ ہیں: 'وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ'۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...شُّح“ کے معنی بخل کے بھی ہیں اور حرص کے بھی۔ بخل تو یہ ہے کہ آدمی ادائے حقوق میں تنگ دلی برتے۔ یہ
چیز ہر حال میں مذموم ہے۔ لیکن حرص اچھی چیز کی بھی ہو سکتی ہے، بری چیز کی بھی، حد کے اندر بھی ہو سکتی ہے اور حد
سے باہر بھی، اس وجہ سے اس کا اچھا اور برا ہونا ایک امراضانی ہے۔ اپنے اچھے پہلو کے اعتبار سے یہ انسانی فطرت
کے اندر اپنا ایک مقام رکھتی ہے، لیکن اکثر طبائع پر اس کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ یہ ایک بیماری بن کے رہ جاتی ہے۔
أُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ میں اس کے اسی پہلو کی تعبیر ہے۔“ (تذہقرآن ۳۹۸/۲)

[۲۰۶] اس سے واضح ہے کہ بیویوں کے درمیان جس عدل کا تقاضا قرآن نے کیا ہے، اُس کے معنی یہ نہیں ہیں
کہ ظاہر کے برتاؤ اور دل کے لگاؤ میں کسی پہلو سے کوئی فرق باقی نہ رہے۔ اس طرح کا عدل کسی کی طاقت میں
نہیں ہے اور کوئی شخص یہ کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا۔ دل کے میلان پر آدمی کو اختیار نہیں ہوتا، لہذا قرآن کا تقاضا
صرف یہ ہے کہ شوہر ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جائے کہ دوسری بالکل معلق ہو کر رہ جائے گویا کہ اُس کا
کوئی شوہر نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ برتاؤ اور حقوق میں اپنی طرف سے توازن قائم رکھنے کی کوشش کرو، اگر کوئی حق
تلفی یا کوتاہی ہو جائے تو فوراً تلافی کر کے اپنے رویے کی اصلاح کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تمھاری اس کوشش کے
باوجود اگر کوئی فروگزاشت ہو جاتی ہے تو اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی رحمت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ اتَّقُوا اللّٰهَ، وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿١٣١﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿١٣٢﴾ اِنْ يَّشَآءْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ، وَيَاْتِ

(یہ خدا کے احکام ہیں۔ نہیں مانو گے تو اپنا ہی بُرا کرو گے، اس لیے کہ) زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، سب اللہ کا ہے۔ تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی، انھیں بھی ہم نے یہی ہدایت کی تھی اور تمہیں بھی یہی ہدایت کر رہے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور (یاد رکھو کہ) نہیں مانو گے تو (اللہ کا کچھ نہیں بگاڑو گے)، اس لیے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، سب اللہ کا ہے اور اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے۔^{۲۰۸} (ایک مرتبہ پھر سنو کہ) زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، سب اللہ کا ہے اور بھروسے کے لیے اللہ کافی ہے۔ (اس لیے وہی سزاوار ہے کہ زندگی کے معاملات اُس کے حوالے کیے جائیں۔ تمہاری [۲۰۷] مدعا یہ ہے کہ گھر بچانے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کو یہی مطلوب ہے، لیکن اگر حالات مجبور کر دیتے ہیں اور علیحدگی ہو ہی جاتی ہے تو اللہ سے اچھی امید رکھنی چاہیے۔ وہی رزق دینے والا ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں اپنے بندوں کا ہاتھ بھی وہی پکڑتا ہے۔ میاں اور بیوی، دونوں کو وہ اپنی عنایت سے مستغنی کر دے گا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...مطلب یہ ہے کہ اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے میاں اور بیوی دونوں سے ایثار اور کوشش تو مطلوب ہے لیکن یہ غیرت اور خودداری کی حفاظت کے ساتھ مطلوب ہے۔ میاں اور بیوی میں سے کسی کے لیے جس طرح اکڑنا جائز نہیں ہے، اسی طرح ایک حد خاص سے زیادہ دبا بھی جائز نہیں ہے۔ اگرچہ الفاظ میں عمومیت ہے، لیکن سیاق کلام دلیل ہے کہ اس میں عورتوں کی خاص طور پر حوصلہ افزائی ہے کہ وہ حتی الامکان نباہنے کی کوشش تو کریں اور مصالحت کے لیے ایثار بھی کریں لیکن یہ حوصلہ رکھیں کہ اگر کوشش کے باوجود نباہ کی صورت پیدا نہ ہوئی تو رزاق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اپنے خزانہ جو دے اُن کو مستغنی کر دے گا۔“ (تدبر قرآن ۲/۴۰۰)

[۲۰۸] یعنی خدا تمہارے لیے کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اُس کو اس کی احتیاج ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ حمید ہے اور اُس کی یہ صفت تقاضا کرتی ہے کہ بے نیاز ہونے کے باوجود تمام مخلوقات کو اپنے جود و کرم سے

بَاخِرِينَ، وَكَانَ اللَّهُ عَلَى ذَلِكَ قَدِيرًا ﴿١٣٣﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ
اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿١٣٤﴾

نافرمانی کی صورت میں) وہ اگر چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو (تمھاری جگہ) لے آئے۔
اللہ اس چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (اپنے مفادات کی خاطر تم اللہ کی شریعت سے فرار اختیار کرتے
ہو۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جو دنیا کا صلہ چاہتا ہے تو (دنیا کا صلہ بھی اللہ کے پاس ہے۔ اور جو دنیا
اور آخرت، دونوں کا صلہ چاہتا ہے) تو اللہ کے پاس دنیا کا صلہ بھی ہے اور آخرت کا صلہ بھی، اور اللہ سمیع و
بصیر ہے۔ ۱۳۱-۱۳۴

نواز تار ہے۔

[۲۰۹] اس آیت میں حذف کا اسلوب ہے جسے ہم نے ترجمے میں کھول دیا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی
نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”عربی میں کلام کے دو متقابل اجزائیں سے بعض اجزاء کو اس طرح حذف کر دیتے ہیں کہ مذکور جزو، محذوف کی
طرف خود اشارہ کر دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت کے محذوفات کھول دیے جائیں تو تالیف کلام یہ ہوگی مَنْ
كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا، وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الْآخِرَةِ فَعِنْدَ اللَّهِ
ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ پہلے میں سے فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا کو حذف کر دیا اور دوسرے میں سے وَمَنْ
كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الْآخِرَةِ کو۔ اس حذف کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کہ مذکور ٹکڑے محذوف
ٹکڑوں کی نشان دہی خود کر رہے ہیں۔“ (تدبر قرآن ۲/۴۰۱)

[باقی]